قائل مسلمان نہ تھے۔ لیکن جن لوگون کو واقعات سے مطلب نہین انصاف سے غرض نہین وہ جو کچھ چاہین کہین اور جو چاہین لکھین بقول ؎

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔

کیسی ایک عامیانہ تقریر ہے کہ "جن انبیا سے اُنکی امتین باغی ہوئین وہ انبیا کی تعلیم کے اثر سے ہی باغی ہوئین"

ہمین اسکا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے مگر ان لوگون کو ایسی کہتے ہوئے شرم نہین آتی یہی باعث ہے کہ جواب دیتے وقت ہمارا مضمون نقل نہین کرتے تاکہ ناظرین کو صحیح اندازہ کرنے کا موقع مل سکے۔

شرع محمدی مین گالیون کا جواز ہوتا تو اونکے قرآن مین اسکی تعلیم بہی ہوتی مگر ہم دیکھتے ہین کہ قرآن مجید غیر قومونکے بزرگون کو گالیان دینے سے منع کرتا ہے۔ غور سے سنو!

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(مشرکون کے معبودون کو برا مت کہا کرو)

البتہ آریہ دہرم مین اسکا ثبوت ملتا ہے سوامی دیانندنے جسقدر گالیان دی ہین اونکا ثبوت خود ستیارتھ سے ملتا ہی خاص اسلام کے متعلق جسقدر اُنکی گالیان ہین اسکی فہرست ہماری کتاب "تغلیب الاسلام" جلد دویم کے دیباچہ مین ملتی ہے۔

اخیر مین آپنے ایک شعر لکھکر آریون کے ایک پرانے اعتراض کو مجھ سے رفع کردیا مین کبھی کبھی مناظرہ مین لطف سخن کیلئے شعر پڑھا کرتا ہون تو آریہ حاشیہ در اصل جواب سے عاجز آکر کہا کرتے ہین کہ مولوی ثناء اللہ نے شعر خوانی مین وقت ضایع کردیا۔ آج بحمد اللہ آریہ مسافر کے قابل ایڈیٹر نے ایک شعر لکھکر ثابت کردیا کہ لطف سخن کے لئے شعر خوانی ضروری ہے اسلئے ہم چاہتے ہین کہ آپ ہی کے شعر کو ذرہ سا مقلوب کرکے اسکی نقل کردین۔ غور سے سنئے ؎

جسقدر دعویٰ مسافر کا تہا باطل ہوگیا

بحث کرنے کو مسلمان جب مقابل ہوگیا۔

تناسخ الارواح

تناسخ الارواح کا مسئلہ نہایت قدیم ہی۔ حکماء اہل یونان اور اہل ہند قدیم الایام سے اس لغو اور بے معنی مسئلہ پر زور دیتے چلے آئے ہین۔ اور ہنود مین اب بہی ایک فرقہ اس دقیق اور فلسفی مسئلہ کی صداقت کا قایل ہی۔ مقدس اسلام نے اس خیال کو باطل اور اسکے ماننے والون کو باجماع اُمت خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ ہم نے جہانتک اس مسئلہ مین غور کیا ہے ہمین کوئی قطعی حجت اس مسئلہ کے متعلق نہین ملی بلکہ جہان تک غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ قائلین تناسخ کے پاس بجز ایک چند ظنی باتون کے کوئی یقینی دلیل موجود نہین ہے۔ اسلام ایک امر کو جو بلا برہان اور دلیل مانا جائے باطل قرار دیتا ہے۔ اور اسکے ماننے والونکی مذمت کرتا ہے۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ مین قائلین تناسخ نے دو مسلک اختیار کئے ہین ایک گروہ کا خیال ہے ارواح انسانیہ ایک جسم سے علیحدہ ہوکر دوسرے جسم مین اس وقت تک منتقل ہوتے رہتے ہین کہ وہ بالآخر خیر محض بنکر نجات حاصل کرلین اور دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ایک جسم سے دوسرے جسم مین منتقل ہونے کے لئے کوئی حد معین نہین بلکہ لاالی النہایت یہ سلسلہ انتقال ارواح کا جاری رہتا ہے۔ یہ دہریہ فرقے کے لوگون کا خیال ہے۔ جو عالم کے حادث اور فانی ہونیکے قایل نہین۔ اس بیہودہ اور غلط خیال کو بعض نام نہاد اسلامی فلاسفہ نے بہی تسلیم کیا ہے۔ جن مین سے بڑے مشہور احمد بن حابط اور احمد بن نانوس اور ابو مسلم خراسانی اور محمد بن زکریا طبیب رازی ہین۔ اور یہی فرقہ قرامطہ کا مذہب بہی ہے۔ ابن زکریا رازی لکھتا ہے کہ اگر روحین حیوانی جسمون سے انسانی جسمون مین منتقل ہوکر نجات نہ پاسکتین تو حیوانات کا ذبح کرنا کبہی جایز نہ ہوتا۔ ان لوگونکا خیال ہے کہ تناسخ ارواح ہی عذاب و ثواب کی صورت ہے۔ کیونکہ بد اعمال آدمی ان حیوانات کہ جن مین منتقل ہوتا ہی جو نہایت خبیث اور پلید سمجھے جاتے ہین۔ جو ہمیشہ محنت اور مشقت مین لگائے جاتے ہین۔ اور جس شخص کے اعمال سب کے سب شر ہون۔ وہ بالآخر گروہ شیاطین یعنی ارواح خبیثہ مین داخل ہوجاتا ہے

اور جن کے اعمال سب سے خیر ہوں وہ ارواح طیبہ یعنی ملائکہ میں جا داخل ہوتا ہے۔

قائلین تناسخ کی مشہور اور مضبوط دلیل یہ ہے کہ رنج و خوشی کا معیار کسی سابقہ زندگی کے اعمال خیر و شر پر مبنی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ چھوٹے بچے جو ناکردہ گناہ ہوتے ہیں۔ اور حیوانات اور پرند وغیرہ جو عقل و شعور نہیں رکھتے۔ رنج اور خوشی کے آثار سے برابر متاثر ہوتے ہیں۔ اور اسکی وجہ بجز اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے کسی سابقہ جنم میں اعمال خیر و شر کئے تھے جنکا وہ اس وقت نتیجہ دیکھ رہے ہیں۔ مگر ہم ان عقل کے اندھوں کو کہتے ہیں۔ کہ تم لوگوں نے فطرۃ عالم کی ماہیت میں کماحقہ غور نہیں کیا۔ کیونکہ مادی اشیاء میں خیر و شر باہم لازم ملزوم ہیں یہ امر صرف جاندار اشیا تک ہی محدود نہیں بلکہ غیر جاندار جمادی اشیا میں بھی مادی جہت کی رو سے خیر و شر کے اسباب کا برابر مشاہدہ کیا جاتا ہے اور یہ ایک بدیہی امر ہے۔ اشیاء کائنات میں جس چیز کے اندر لوازم مادہ موجود ہوں گے اس میں اسپر آثار شر غالب ہونگے۔ اور جو چیز لوازم مادہ سے بعید ہوگی۔ اس پر آثار خیر بوجہ کامل عاید ہوں گے۔ اسلئے رنج اور خوشی کو بجائے اسکے کسی سابقہ زندگی کے اعمال خیر و شر کا نتیجہ قرار دیا دی۔ یہ امر نہایت صحیح اور متین ہے کہ اسکو اشیا کی فطرت اور انکی طبعی بناوٹ پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی یقینی حجت اس امر کے متعلق نہیں کہ موجودہ رنج و خوشی صرف کسی سابقہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ خیال محض ایک ظن ہے جس کی تائید نہ تو کسی عقلی دلیل سے ہو سکتی ہے۔ نہ تعلیم وحی سے۔ کیونکہ جمیع انبیائ علیہم السلام کی تعلیم میں اسکے برخلاف دلائل موجود ہیں۔ لہذا جب کہ ہم کسی سابقہ زندگی کا علم نہیں رکھتے۔ ہمیں یہ کیونکر علم ہو سکتا ہے کہ موجودہ خوشی اور رنج ہمارے کسی سابقہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور جب ہمیں یہ علم نہیں تو اس کو ہم جزا اور سزا کے لفظ سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی امر خیر و شر کا ارتکاب کرتا ہے تو بسا اوقات اسکی عقوبت یا راحت اس دنیا میں دیکھ لیتا ہے پس ایسی عقوبت یا راحت اس موجودہ زندگی کے فعل کا نتیجہ کہنا صحیح ہوگا۔ نہ کسی سابقہ زندگی کا۔ ہماری موجودہ رنج و خوشی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نہایت عمیق حکمت۔ و وسیع مصلحت پر مبنی ہیں۔ ہم رنج اور خوشی کو مادی اشیاء کی فطرت

کے ساتھ لازم سمجھتے ہیں کہ جن سے کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہی صحیح جواب ہے۔ معہذا ہم دیکھتے ہیں کہ سلسلہ عالم کی تمام اشیاء کے لئے اجناس اور انواع ضروری ہیں کیونکہ حیوان کے مفہوم میں تمام مختلف انواع کے حیوانات شامل ہیں۔ اسلئے لفظ حیوان ایک جنس ہے۔ اور حیوانات علیحدہ علیحدہ جو ممتاز اسکے انواع ان تمام انواع میں بذریعہ کسی خاص وصف کے جو فصل کہلاتی ہیں امتیاز کیا جاتا ہے۔ مثلاً ناطق ہونا ایک ایسی وصف ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے علیحدہ کرتی ہے اسلئے یہ وصف صرف انسان ہی کی ذات سے مخصوص ہوگی یہ وصف انسان کی ذات کا ایک جزو ہے۔ اگر مسئلہ تناسخ کو صحیح مانا جائے تو لازم آئیگا کہ انسان گدھا اور گدھا انسان بن گیا۔ یعنی ناطق غیر ناطق اور غیر ناطق ناطق تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جس طرح اشیاء مادی اپنے صفات ذاتی کی رو سے ایک دوسرے سے امتیاز رکھتی ہیں۔ اسی طرح جاندار اشیاء کے نفوس اور ارواح بھی بالکل متغایر ہیں یہ کیسی بیوقوفی اور جہالت ہے۔ کہ نوع انسانی کی روح کو نوع حمار کے کسی فرد کی روح قرار دیا جائے۔ وھذا مما لا یقولہ جاھل فضلا عن عاقل۔

بعض ملاحدہ نے آیات قرآنیہ سے مسئلہ تناسخ کی حقیقت ثابت کرنی چاہی مگر محض یہ خیال ہوس ناکی پر مبنی ہے۔ مثلاً وہ ایک آیت پیش کیا کرتے ہیں۔ یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ۔ حالانکہ اس آیت میں لفظ صورۃ سے انسان کی وہ صورت مراد ہے جو اس کے طول و قصر اور حسن و قبح اور بیاض و سواد وغیرہ صفات سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کو مسئلہ تناسخ سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اس طرح ان لوگوں کا آیہ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یَذْرَؤُکُمْ فِیْہِ مسئلہ تناسخ کے ثبوت میں پیش کرنا محض خیال باطل ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بطور اظہار احسان کے یہ ظاہر کیا ہے کہ ہمنے تمہارے نفسوں سے تمہارے ازواج پیدا کئے ہیں۔ اور اسی طرح انعام میں سے بھی آٹھ ازواج جنکا ذکر دوسری آیت میں آچکا ہے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کئے ہیں

پھر یون خبر دی ہے۔ کہ وہ تمہین اور انعام کو علیحدہ علیحدہ انہی ازواج سے پیدا کرتا ہے جو تمہارے اور انعام کے لئے مخصوص ہین۔ یہ مطلب نہین کہ انسان کو انعام سے اور انعام کو انسان سے بطور ازواج کے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ انسان حی ناطق ہے حیوان حی غیر ناطق۔ اور ہر دو کی فطرت بالکل متغایر ہے۔ جسکا انقلاب بموجب آیۃ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ناممکن ہے۔ سو کوئی ناطق غیر ناطق اور کوئی غیر ناطق ناطق نہین ہو سکتا ورنہ محالِ عقلی لازم آئیگا۔ جسکو نہ فطرت انسانی قبول کرتی ہے اور نہ تجربہ اور مشاہدہ اس کی تائید کرتا ہے۔ بعض ملاحدہ آیۃ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور آیۃ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا اَمْثَالَھُمْ تَبْدِیْلًا کو بھی پیش نظر کرتے ہین مگر قطعاً ان ہر دو آیات کو مسئلہ تناسخ سے کسی قسم کا تعلق نہین۔ کیونکہ باجماع جملہ مفسرین یہ دونون آیتین بعث بعد الموت کے متعلق ہین اور قرآن مجید اس آیت کو زور کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ کہ بعد از موت حیات دنیا کیطرف رجوع نہین ہوگا اور ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ ہم قیامت کو تمہین ایسی حالات اور صفات کے ساتھ قیامت کو اٹھائینگے کہ تمہین انکا علم نہین نہ یہ کہ تمہین پھر اس زندگی کیطرف لوٹا لائینگے ٭

(الہدیٰ لاہور)

کیا آریہ سماج ایک الہامی دھرم ہے یا بناوٹی سوسائٹی

(از مولوی محمد ابراہیم صاحب لاہوری)

دنیا اور اس مین جسقدر الٰہی کاروبار ہین انکا نشو و نما محض قدرتی انتظام پر ہی منحصر ہے۔ جن جن ضروریات کی شروع سے لیکر انکے انجام تک انکو ضرورت پڑتی ہوتی ہے ان سب کا انتظام انکے ظہور وجود سے پیشتر ہی قدرت (خدا) کیطرف سے مہیا اگر نہ کر دیا جاوے تو ظاہر ہے کہ بے انتظامی یا ضروریات کے لوازمات کے مہیا نہ ہونے سے وہ ہرگز ہرگز قائم نہین رہ سکتے۔ یا ادھورے پڑے رہینگے۔ برخلاف اسکے جو انسانی کام ہین ان کی زوال پذیریا شروع ہی سے نامکمل رہجانیکے سامان اس لئے اس مین موجود پائے جاتے ہین کہ انسان

یا سوسائٹی اسکے پوری پوری نشو و نما رہنے کی ضروریات سے یا تو واقف ہی نہین ہوتی ویا اپنی کمزوری و بے اختیاری کے باعث اسکام کے لوازمات کو بہم نہین پہونچا سکتی لہذا سوسائٹی کے بنائے ہوئے کسی کام کی پہچان کا یہ ایک اعلےٰ معیار ہے۔ گو اور بھی کئی ایک وجوہات ہین مگر ہم اپنے ناظرین کی آسانی کی خاطر صرف اسی ایک قانون کو بیان کر کے اصل مطلب پر پہونچتے ہین۔

مذہب یعنی دھرم انسان کے ان علم و فرائض کے دستور العمل کا نام ہے کہ جنمین جملہ انسانی قدرتی ضروریات کا اسکے اول سے انجام تک کا ذکر و ہدایات موجود ہون۔ پس اگر اس مین چند ایسے ضروریات انسانی کا ... ندارد ہے کہ جنکی اسکے پیروؤن کو حسب زمانہ و وقت نہایت ضرورت ہے تو وہ محض ایک ملک و مقام کی کمزور انسانی سوسائٹی کی اختراع ہے۔

اسی طرح سے وہ شخص جو انسانی علم و فرائض کے دستور العمل یعنی مذہب یا دھرم کو پوری پوری طور پر سمجھانے کے علاوہ اسکے مکمل عملی نقشہ کو اپنے وجود پر قائم کر کے اسکے پیروؤن کو تجربہ دکھلا کر عمل کی بھی کامل طور پر سکھلا دے تو وہ اسی مذہب یا دھرم کا پیغمبر ہادی یا ریفارمر کہلانیکا بیشک مستحق ہے برخلاف اسکے اگر مذہب کا ہادی و ریفارمر مذہب کے دستور العمل کا پورا پورا علمی طور پر نقشہ عملاً کر کے نہ دکھلا سکے تو ظاہر ہے کہ وہ اسکا اہل نہین بلکہ محض ایک مفتری اور ٹھگ ہے پھر خواہ وہ اپنی انسانی کمزوری ولاعلمی و ناتجربہ کاری کے باعث اس دستور العمل کو پورا پورا نہ قائم کر سکے دیا اسکو خود قدرت باعث مقرر کردہ موت کے اسکو ان اعمال کے کرنیکی مہلت نہ دی جاوے کیونکہ یہ قدرت کے اپنے منشاء کے بھی خلاف ہے۔ کہ وہ ایک انسان کو اپنی مخلوقات کا ہادی مقرر کرے اور پھر اسکو کام کرنے دینے کی بجائے خود ہی موت سے ہلاک کر دے۔ ممکن ہے کہ ابھی سے ہمارے ناظرین اسکا اشارہ کسی خاص کاذب کیطرف سمجھ لین مگر نہین ہمنے یہ ایک عام قاعدہ ہر مذہب و ہادی کے واسطے بیان کیا ہے۔ بیچارہ مرزا ...... تو کیا بدی اور کیا بدی کا شور رہا۔ تو داصل جہنم ہو چکا ہے۔ اسلئے مثال کے طور پر ہم اپنی ایک اعلیٰ سوسائٹی کے اختراعی مذہب یعنی آریہ دھرم کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہین۔ جسکی عمر اب خدا کے فضل سے ایک نصف صدی کے قریب پہونچنے کو ہے۔

اسوقت رسالہ آریہ مسافر مئی ۱۹۰۸ء ہماری سامنے رکھا ہے جس مین جناب پریہ متر لالہ دشنو دت بی۔ اے ایل ایل بی وکیل فیروزپور کا مضمون "آریہ برادری" موجود ہے۔ جس مین لائق وقابل مضمون نویس نے فقط مضمون نگاری کا ہی کمال نہین دکھایا بلکہ آریہ سماج کی حالت زار کا سچا سچا فوٹو دکھلا کر: "ایک آریہ برادری قایم ہونی چاہیے" کو خوب ہی نباہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ان اپنی واقعی موجودہ کمزوریوں کو آریہ سماج نہ مانے تو بیشک۔ پھر آریہ سماج کی تعصب۔ ہٹ دہرمی میں کوئی بھی شک نہیں ہو سکتا۔ گو یہ مضمون لائق وکیل نے ہمارے عنوان بالا کے لئے نہیں لکھا تہا۔ اور نہ اسکے مطالعہ کے وقت ہمارا اس قسم کا خیال ہی تہا۔ مگر مضمون پڑہنے۔ اور آریہ سماج کے زرین حالات سے قدرے واقف ہونے کے بعد جبکہ ہم تلاوت قرآن حمید وفرقان مجید سے اس آیت شریف پر آئے

لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ؕ

(اگر یہ قرآن یا مذہب اسلام، خدا کے سوا کسی غیر کی طرف سے اختراع ہوتا تو اسکے ہر کام میں بہت ہی اختلاف پایا جاتا)۔ تو ہمارا دماغی نظارہ فوراً آریہ دہرم اور اسلام کا مقابلہ کر کے عنوان بالا قایم کر گیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین :؛

گو آریہ سماج کا بچہ بچہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اُن کا آریہ مذہب دنیا کے شروع سے ہے۔ مگر اُنہیں اس بات سے بھی انکار نہیں کہ اب سے پیشتر پانچ سات ہزار برس تک اُن کا مذہب برخلاف قاعدۂ قدرت کے دنیا کے صفحہ پر سے بالکل نیست ونابود ہو چکا تہا گو اس پانچ سات ہزار برس تک اسکے نابود رہنے کی وجوہات میں آریہ فضلاؤں کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں دنیا کے بہت مدت تک پرانے وید اتنے گہس گئے تہے کہ خدا نے مشکل سے اُن کی سات ہزار برس میں مرمت کی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ نہیں بلکہ لوگ ویدوں پر عمل کر کر کے تہک گئے تہے۔ اسلئے خدا نے انکو ایک ہفتہ جو سات ہزار برس ہوتا ہے۔ وید پڑہنے سے چھٹی دیدی تہی۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ گذشتہ سات ہزار برس کچھ ایسے کلجگ کا گذرا ہے کہ اُس میں ویدوں کی دنیا کو کوئی ضرورت ہی نہ تہی۔ غرضکہ جتنے آریے اُتنی ہی باتیں لیکن اس سے کم ازکم اتنا تو ضرور بلا چون وچرا ماننا پڑے گا کہ آریہ دہرم

قدرتاً سات ہزار برس تک خدا کے بندوں کے آگے انسانی علم وفرایض کے دستور العمل کو پیش تک کرنے کی لائق نہ تہا۔ حالانکہ خدا کا سارا قانون قدرت قایم رہا۔ اور وہ انسان کہ جنکے فرایض علم وعمل کا وہ دستور العمل تہا۔ دنیا میں ان گنت موجود رہتے رہے۔ جس سے صاف صاف روشن ہے کہ آریہ وید آدمیوں کے لئے ایک قدرتی علم وفرایض کا دستور العمل نہیں بلکہ محض ایک ایسی گذشتہ زمانہ کی سوسائیٹی کی کلام کا مجموعہ ہے۔ کہ جو برخلاف الہی قانون قدرت کے اپنی کمزوری کے باعث اپنے سے بعد کی دنیا کو وید بہم نہ پہنچا سکی۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اتنے بڑے سات ہزار برس کے عرصہ کے درمیان دنیا پر سینکڑوں ہزاروں مذہب بچے چہوٹے سبھی پیدا ہوتے اور مرتے رہے۔ مگر ایک ویدوں ہی کو قدرت کی طرف سے جلا وطنی نصیب ہی۔ کیا اس شیخی پر آریہ سوسائیٹی کہتی ہے کہ ہستی نیستی نہیں؟

خیر! صاحبان! وید تو جب تہے سو تہے۔ مگر رشی تو اب آ ہی گئے۔ آپ کا نام آریہ سماج سوامی دیانند بتلاتی ہے۔ ہر چند بیچارے نے کبھی اپنی ساری عمر میں یہ دعوٰے نہیں کیا کہ: "میں پرماتما کی طرف سے تمہاری رہنمائی کرنے کو مقرر کیا گیا ہوں" مگر آریہ سوسائیٹی اُسے اپنا ریفارمر کیوں نہ مانے۔ جبکہ سارا مذہب ہی اپنی اختراع ہے۔

سوامی جی کو اگر دیکھنا منظور ہے تو لاہور۔ انارکلی کے فوٹوگرافر گرداری لال کی دوکان پر اُن کی برہنہ تن الف ننگی آتما کا آسن جمائے ہوئے تصویر دیکھ لو۔ اور اگر پیرو دیکھنے ہوں تو اپنی شہر کے فیشنیبل بوٹ سوٹ پہنے ہوئے آریہ سماج کے سیکریٹری کو دیکھ لو۔ گرو چیلا ہر دو کو دیکھکر معلوم ہو جائے گا کہ چیلہ و گرو کا کس قدر آپس میں اتفاق ہے پہر آپ ہی آپ کو دکھلائی دینے لگیگا کہ آریہ سماج ایک سوسائیٹی کا خاص اپنا ساختہ دہرم ہے۔ یا انسانی علم وفرایض کا دستور العمل علامہ کے سکھلانے والی سوامی کی ننگی ٹکڑ کا کام ہے۔

سوامی جی کی ساری حیات کا عملی کام اگر معلوم کرنا چاہو تو ساری دنیا کو سوائے برہنہ تن دکھلانے کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور اگر علمی کام دیکھنا چاہو تو ستیارتھ پرکاش میں تمام سلطنت کے قانون اور فوجی احکام و قواعد درج کر کے باقی دنیا جہان کے مذاہب